خدام الدین

لاہور پاکستان

ہمارے

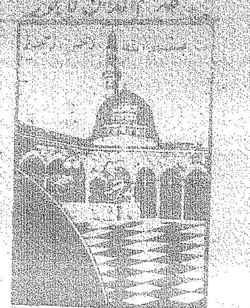
مقابلے میں طاقت اپنے تمام

جبر و تشدد اور خونریز وسائل کے ساتھ کھڑی ہے

لیکن ہمارا اعتقاد

صرف خدا پر ہے

ابوالکلام آزاد



احادیثِ رسول

مرتب
انور صمد صمدی

ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ کَمَا تُنْتَجُ الْبَھِیْمَۃُ بَھِیْمَۃً جَمْعَاءَ ھَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْھَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔

(رواہ الاربعۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسا کہ چوپائے صحیح سالم بچہ جنتے ہیں۔ کیا تم اس میں کوئی ناک، کان کٹا دیکھتے ہو۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو اس کی تصدیق قرآن کریم میں پڑھ لو۔ ارشاد ہے۔ یہ خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اس کی فطرت میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ دینِ قیم (صحیح دین) یہی ہے۔

تشریح حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی ہر ہر نوع کے لیے کچھ ظاہری اور کچھ باطنی علیحدہ علیحدہ خصوصیات مقرر فرمائی ہیں۔ جن کی وجہ سے ان انواع میں باہمی امتیاز قائم ہے۔ مثلاً پرندوں کے لیے پر، پنجے، چونچ۔ چوپایوں کے لیے جسم پر بال، بچھا ہوا قامت اور ایک مخصوص انداز کے پاؤں بنائے۔ پھر ہر ہر نوع کے لیے مخصوص رنگ، جدا جدا مقدار و صورت مقرر فرمائی یہ تو ان کی ظاہری خصوصیات ہوتیں۔ ایسے ہی کچھ ان کی باطنی خصوصیات بھی ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی کا مخصوص پھولوں سے رس چوس کر کیمیاوی طریق پر شہد تیار کرنا، بعض پرندوں کا اس نزاکت سے گھونسلہ بنانا کہ عقلِ انسانی بھی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جائے۔ جب سے یہ جہان پیدا ہوا ہے شہد کی مکھی سے لے کر ہاتھی تک اپنی اپنی ظاہری و باطنی خصوصیات کے ساتھ پیدا ہوتے چلے آئے ہیں۔ اس لیے یہ خصوصیات اُن کی فطرت کہلاتی ہیں۔

انسان میں بھی نوعی طور پر کچھ ظاہری و باطنی خصوصیات ہیں جو ان ہی خصوصیات کو لیے ہوئے ہر دورِ زندگی میں مشترک طور پر نظر آتی ہیں۔ یہی اس کی فطرت کہلاتی ہے۔ مثلاً اس کی ظاہری خصوصیات یہ ہیں کہ اس جسم پر نہ پرندوں کے سے پر ہیں نہ حیوانات کے سے بال۔ ایک مخصوص انداز کا سیدھا اور صاف قامت ہے۔ ایک مخصوص قسم کا دلکش رنگ اور ایک مخصوص انداز کی دلربا صورت۔ اس کی باطنی خصوصیات اس کی عقل ہے۔ جس میں اپنے خالق کی معرفت کی طلب اس کی عبادت کا جذبہ اس کی رضامندی کی تڑپ ہے۔ پیدائشِ عالم سے لے کر اگر نوعِ انسانی پر غور کروگے تو جس طرح دیگر حیوانات اپنے ان باطنی خصوصیات میں متفق نظر آتے ہیں اسی طرح نسلِ انسانی اس میں اختلاف نہیں رکھتی۔ اس لیے یہ اس کی فطرت کہلانا چاہیے۔ اگر بیرونی اور خارجی اثرات سے متاثر ہونے کی وجہ سے اس میں خالق کی تلاش نہ رہے یا غلط راستے پر بھٹکنے لگے تو یہ اثرات فطرت نہ کہلائیں گے۔ جیسے بھوک لگنا، مذکر کا مؤنث کی طرف میلان وغیرہ، یہ انسان کی فطرت ہے۔ مگر جب یہودیت و نصرانیت کا بھوت اس کی فطرت کو مسخ کر دیتا ہے تو رہبانیت کی زندگی اسے محبوب

(باقی صفحہ پر)

قائد اسلامی انقلاب مولانا مفتی محم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

۲۳ صفر المظفر ۱۳۹۵ھ
۷ مارچ ۱۹۷۵ء

سالانہ	۲۶/- روپے
ششماہی	۱۴/- روپے
سہ ماہی	۷/- روپے
فی شمارہ	۹۰ پیسے

چیف ایڈیٹر
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

وطن کی فکر کر ناداں!

وطن عزیز پاکستان جو خون و عصمت کی بے بہا قربانیوں کا مرہونِ منت ہے سانحۂ کے خونی اور المناک حادثہ کے بعد ایک بار پھر سنگین صورتِ حال کا شکار ہے اور اس وقت کی سنگینی ایسی ہے کہ ملک کا ہر باشعور اور سنجیدہ شہری خود ملک کے وجود و بقا سے متعلق پریشانی کا اظہار کر رہا ہے۔

آج ہر چھوٹے بڑے کے ذہن میں ایک ہی سوال ہے جو ابھر ابھر کر زبان پہ آ رہا ہے کہ اس ملک کا کیا بنے گا اور یہ بچے گا بھی یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ سوال بلا وجہ نہیں بلکہ اس کی پشت پہ معقول وجوہات ہیں۔ جبھی تو ہر ایک یہی کہتا ہے۔

زبانِ خلق نقارۂ خدا ایک ایسا اصول ہے جو اب تک کتنی ہی بار اپنی صداقت منوا چکا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ اب جو بات زبانِ خلق پہ آ چکی ہے اس کے محرکات و عوامل کا سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے۔ اور اس کے بعد حالات کا رخ موڑنے کے لیے پوری جرأت و مردانگی کے ساتھ کام شروع کر دیا جائے۔ اس صورت میں تو ہم رونما ہونے والے المیہ سے بچ سکتے ہیں ورنہ۔ ؏

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

والا حال ہوگا۔ اور کوئی ہم پہ آنسو بہانے والا بھی نہیں ہوگا۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ ملک کی پوری تاریخ میں ملک کے بنیادی اور اساسی نظریہ کے معاملہ میں خطرناک قسم کی منافقت اور دو عملی کا مظاہرہ کیا گیا اور ایک دن کے لیے بھی سنجیدگی سے اس عظیم نظریۂ حیات اور ان سرمدی اصولوں کو اپنانے اور پروان چڑھانے کی کوشش نہیں کی گئی جو محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے تھے۔ اور جن کے نام کے سہارے تقسیم ملک کا عمل اپنے منطقی نتائج تک پہنچا تھا۔

اس کے برعکس یہاں ہمیشہ ہی یہ دیکھا، خندہ گردی کرتا اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد سیاسی مخالفین کی کردار کشی اور ان کو غدار و ملک دشمن ثابت کرنے کی روش اختیار کی گئی اور اسی روش کو "زندہ و تابندہ" رکھنے کی خاطر آئین یا تو بننے نہ دیا گیا اور بنا تو اس پر عمل نہ کیا گیا۔

ایک دستوری کوشش غلام محمد جیسے طالع آزما اور رسولئے زمانہ آمر کی بھینٹ چڑھ گئی اور غضب یہ کہ عدلیہ کے ایک ذمہ دار فرد نے اس ظالمانہ حرکت کو آئینی شکل دے کر جہاں عدلیہ کی تاریخ میں ایک سیاہ باب کا اضافہ کیا وہاں ملک کے لیے بھی مسائل کھڑے کر دیے گئے دوسری دستوری کوشش سکندر مرزا اور فوجی جرنیلوں کی ملی بھگت کا شکار ہو گئی اور سکندر مرزا نے اپنے ہاتھوں ایسی چتا تیار کی جس میں بالآخر خود بھی بھسم ہو کر رہ گیا۔

لیکن اس کا ملک و ملت کو جو نقصان اٹھانا پڑا وہ انتہائی کربناک اور پریشان کن ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت سے لے کر اب تک ملک پر مارشل لاء یا نیم مارشل لاء کی نحوست مسلط ہے۔ ایوب نے اپنے دور کا ابتدائی حصہ مارشل لاء کی سنگینوں تلے بسر کیا۔ اس کے بعد جو آئینی تحفہ ملا وہ مارشل لاء کی بگڑی ہوئی شکل تھی جس میں جمہوریت کا مذاق اڑایا گیا تھا، اسلامی قدروں کو پامال کیا گیا تھا۔ اور عوامی حقوق بے دردی سے پامال کیے گئے تھے۔

یہ صورت ختم تو کیا ہوتی ایک بار پھر مکمل طور پر مارشل لاء مسلط ہو گیا اور اسی کے زیر سایہ انتخاب ہوئے۔ ان انتخابات کے نتائج کو اقتدار کے پجاری اور جھوٹے وقار کے متلاشی سیاست دانوں نے تسلیم نہ کیا اور یحییٰ کی فوجی جنتا کو سراہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی پاکستان کی سنہری ریشوں والی زمین پر انسانیت کا خون اتنی بے دردی سے بہایا گیا کہ دھرتی کانپ اٹھی اور اس کے نتیجہ میں نفرت و حقارت کی وہ فضا قائم ہو گئی کہ مشرقی و مغربی حصہ کا اتحاد ایک خواب بن کر رہ گیا اور ملک دو حصوں میں بٹ گیا۔

اس المیہ کے بعد مسٹر بھٹو مغربی حصہ یا "نئے پاکستان" کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے اور انہیں حلیف کی صورت میں ایک ایسا نام نہاد "مرد آہن" مل گیا جس کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی تابناک نہیں بلکہ ظلمت و تاریکی کا ایک نہ ختم ہونے والا باب ہے۔

اس دو آتشہ نے ابتدا میں تو عوامی مارشل لاء کی بھونڈی اصطلاح کے سہارے عوامی حقوق کا خون کیا لیکن بعد میں ایک ایسے آئین و قانون کی تدوین کرائی جس پر عمل نہ کرنے کی انہوں نے دائمی قسم اٹھائی تھی۔

چنانچہ ایک بہتر آئین موجود ہونے کے باوصف اب تک جس انداز میں حکومت کا نظام چلایا جا رہا ہے اس کے سامنے دنیا کے بڑے بڑے آمروں کے "کارنامے" ہیچ محض ہیں۔

داخلی اور خارجی سطح پر ملک کی جو صورت ہے اس سے ہر باشعور آدمی واقف و آگاہ ہے

اس وقت پوری دنیا میں ہمارا کوئی ساتھی اور ہمدرد نہیں۔ بڑی طاقتیں اپنے مفادات کی وجہ سے ہمیں کوئی اہمیت نہیں دیتیں تو اسلامی دنیا جسے ہمارے ثقافتی حضرات تیسری دنیا کا نام دیتے ہیں وہ بھی ہمارے معاملے میں گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کرتی اور اس کی وجہ محض ہم خود ہیں۔ کیونکہ ہم نے اپنے کردار و عمل سے اپنے کو اس کے اہل ہی ثابت نہیں کیا کہ کوئی ہم پر اعتماد کرے پروپیگنڈا کی دنیا میں ہم جو چاہیں کہیں لیکن واقعہ وہی ہے جو میں نے عرض کیا۔

داخلی سطح پر حکمران پارٹی نے جس طرح پینترے بدلے ہیں وہ ایک المناک داستان ہے سب سے پہلے چاروں صوبوں میں گورنر مقرر کیے گئے اور مشیروں کی فوج ہمراہ کر دی گئی اور لطف کی بات یہ کہ اس مسئلہ میں کسی کو اعتماد میں نہ لیا گیا۔ اس کے بعد جب دو صوبوں میں نیپ کی حکومت قائم ہوئی تو ساتھ ہی ایسی حرکات شروع کر دی گئیں کہ یہ حکومتیں چل نہ سکیں لیکن جب انہوں نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا تو ایک حکومت ظلماً و جبراً توڑ دی گئی دوسری نے استعفیٰ دے دیا۔ اس کے بعد بلوچستان طویل عرصہ تک گورنر راج کا شکار رہا اور اس کے

بعد جو حکومت بنی ہے اس کے کارناموں اور اعمال سے ایک دنیا آگاہ ہے۔ سرحد میں بعد از خرابیٔ بسیار حکومت بنی تو وہ اب آکر شیرپاؤ کے قتل کے بعد اپنے انجام کو پہنچی۔

دوسرے دونوں صوبے جہاں پی پی پی کی اکثریت ہے وہ بُری طرح اکھاڑ پچھاڑ کا شکار ہیں۔

ملک میں لاتعداد سیاسی قتل ہو چکے ہیں لیکن قاتلوں کو کسی نے پوچھا تک نہیں۔ شیرپاؤ کے قتل پر وہ اودھم مچایا کہ توبہ بھلی۔ ایک طرف نیپ کو توڑا تو دوسری طرف اپنی ہی حکومت توڑ ڈالی۔

اور اس کے بعد سے اب تک مسلسل ایسے اقدامات ہو رہے ہیں۔ جن کے نتیجہ میں ملک کے لیے خطرات بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

کشمیر کا مسئلہ ہمارے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ہمارے وزیر اعظم نے شملہ میں ہاتھ کاٹ کر دے دئیے ہیں۔ اب وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر ہڑتال بعد از مرگ واویلا والی بات ہے۔ اس لیے اندرا، شیخ معاہدہ پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ٹھوس طریق اختیار کیا جائے۔

ملک کی اقتصادی اور معاشی صورت انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ کمر توڑ مہنگائی نے زندگی اجیرن کر دی ہے اور لوگ غایت درجہ پریشانی کا شکار ہیں۔

ابھی تازہ مسئلہ تعلیم کا ہوسٹ میں مہنگائی کا ہے جس کے دوران وہ شرمناک حرکتیں کی گئیں کہ توبہ بھلی۔ مدارس عربیہ کے طلبہ اور اساتذہ کی کردار کشی کے لیے ایک طرف مذہبی امور کا وزیر چھپا رہا ہے تو دوسری طرف شراب کی بوتلیں اور اسلحہ ان کے کھاتہ میں ڈالا جا رہا ہے۔ ہڑتال ملک کا مقدر بن چکی ہے اور ملک کا کوئی نہ کوئی حصہ اور کوئی نہ کوئی طبقہ ہر وقت ہی اس صورتِ حال سے دوچار رہتا ہے۔

ان سب کچھ کے باوجود پروپیگنڈے کے ذریعہ "سب اچھا" کا جھوٹ صبح و شام الاپا جا رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں قومی مسائل میں عوام کی دلچسپی ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

لہٰذا ضرورت ہے کہ حکومت اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرے اور ملک کے بہی خواہ باشعور عوام اور سنجیدہ عناصر کا فرض ہے کہ وہ اٹھ کھڑے ہوں اور ملک بچاؤ مہم کا آغاز کر کے شرپسند عناصر کا قلع قمع کر دیں تاکہ وطنِ عزیز کے باسی سُکھ کا سانس لے سکیں اور ملک اسلامی عظمت کا مضبوط قلعہ بن جائے۔ اگر اب بھی عوام نے ہوش سے کام نہ لیا تو جو قیامت بپا ہو گی اس سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔

خدا ہمیں فہمِ صحیح نصیب فرمائے!

دَورِ زمانہ چال قیامت کی چل گیا!

اختر کاشمیری

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

ماضیٔ مرحوم کے "شیرِ کشمیر" اور زمانۂ حال کے "غدارِ ملت" شیخ عبداللہ اور مسز اندرا گاندھی نے ایک سمجھوتے کے تحت مقبوضہ کشمیر کو بھارت کا صوبہ بنا لیا ہے۔ اور اس صوبے کے وزیر اعلیٰ شیخ عبداللہ بن گئے ہیں۔ ہندوستان تو خیر ہندوستان ہے مسلمانوں کے متعلق اس کی نیت نہ کل درست تھی نہ آج درست ہے لیکن جہاں تک حکومت پاکستان کا تعلق ہے اس کی کشمیر اور اہل کشمیر کے بارے میں ربع صدی کی "حکمتِ عملی" بھی مفید ثابت نہیں ہوئی۔ اس سلسلے میں نوکر شاہی نے جو کردار ادا کیا ہے وہ اہل پاکستان اور اہل کشمیر دونوں کے لیے ایک المیہ ہے۔

ہم کسی شخص کی نیت پر شبہ کیے بغیر یہ عرض کرنا اپنا قومی فرض سمجھتے ہیں کہ آزاد کشمیر میں منایا جانے والا ہفتہ "الحاق پاکستان" اور "معاہدہ شملہ" دونوں نتیجہ خیز ہونے کے بجائے جگر سوز ثابت ہوئے ہیں۔

شیخ عبداللہ اور اندرا گاندھی کے سیاسی معانقہ کے جواب میں وزیر اعظم بھٹو نے ہڑتال کا اعلان کیا ہے لیکن یہ ہڑتال اس وقت ہو رہی ہے جب معانقہ کرنے والے دوستی کی طرح ڈال کر خوشی کی شہنائی بجا رہے ہیں۔ قائد حزبِ اختلاف مولانا مفتی محمود نے بالکل درست

فرمایا ہے کہ ہڑتال کا یہ تاخیری قدم ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کے مرنے کے بعد ڈاکٹر کو بغرض علاج بلایا جائے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس ہڑتال کی دوسری پوزیشن جنش ولیمہ کی سی ہے اور اس کے ذریعے شیخ عبداللہ کی وزارتِ عظمیٰ سے ساری دنیا کو آگاہ کر کے آزاد کشمیر میں یہی عمل دہرانے کا جواز پیدا کیا جا رہا ہے اور اگر فی الواقع ایسا کیا گیا تو مسئلہ کشمیر ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ اور لاکھوں مسلمانوں کا خون رائیگاں جائیگا۔

بدقسمتی سے یہاں ارباب اقتدار نے اپوزیشن کے لیے بڑے سے بڑا لفظ استعمال کرنا داخل عبادت سمجھ لیا ہے۔ اگر اپوزیشن بیچاری اس ہڑتال کی حمایت نہ کرتی تو اس پر غداری کی چھاپ لگا دی جاتی۔ اور اس طرح بڑی آسانی کے ساتھ ایک تیر سے دو شکار کیے جاتے۔ تاہم ان تمام خدشات کے ساتھ ساتھ یہ امید بھی کی جا سکتی ہے کہ اس ہڑتال سے مفید نتائج برآمد ہوں اس لیے قائد حزب اختلاف مولانا مفتی محمود نے ہڑتال کو کامیاب بنانے کی تجویز کو پسند کیا ہے تاکہ اندرا عبداللہ اور ان کے دشمن نما دوستوں کا مسئلہ کشمیر کو ختم کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔

ہمیں افسوس تو ان کشمیری لیڈروں پر ہے جو آزادی کشمیر کے نام پر قوم کو بے وقوف بناتے اور ریلیائے اقتدار سے بغلگیر ہوتے رہے اور آج تک کسی فریق سے اپنی قوم کا حق خود ارادیت تسلیم نہ کروا سکے اور اب یہ نوکر شاہی کے کارندے خان قیوم خان کی معرفت آزاد کشمیر کے مستقبل کے بارے میں ایک نیا پروگرام مرتب کر رہے ہیں جس پر ہم کسی اور موقع پر تبصرہ کریں گے۔ جہاں مدعی سست اور گواہ چست ہوں وہاں مقدمہ جیتنے کے امکانات کم ہوتے ہیں۔ بھٹو صاحب کی اہل کشمیر سے ہمدردی سے انکار نہیں لیکن مصورِ پاکستان حضرتِ اقبالؒ ان سے مخاطب ہیں ؎

تھا جنہیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے
لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا؟
آہ جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی
پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا؟
آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا؟

بچہ بغل میں ڈھنڈورہ شہر میں

؎ خدا کی شان جو میری جواں مرگی کا طالب تھا
اسی کے گھر میں ہے ماتم بپا میری جوانی کا

گزشتہ دو شماروں میں ہم شیرپاؤ مرحوم کے قتل کے بارے میں اظہار خیال کر چکے ہیں لیکن اس کے بعد صوبہ سرحد میں جو متوقع اور غیر متوقع سیاسی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں ان کے بارے میں چند مزید باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ حکومت قاتلوں کی تلاش و سرکوبی سے زیادہ نیپ کے لیڈروں کو فکس اپ کرنے میں مصروف ہے۔ اور مردِ آہن کی نیپ دشمنی "ولی خولیا" کا رنگ اختیار کر گئی ہے۔ ہم کسی بیرونی طاقت کے متعلق حکومت سے زیادہ باخبر نہیں۔ لیکن جہاں تک ولی خاں اور ان کے گرفتار شدہ ساتھیوں کا تعلق ہے وہ بظاہر ایسی حماقت کے مرتکب نظر نہیں آتے اگر وہ ایسی حماقت کرتے تو شاید ان کی نگاہِ انتخاب مردِ آہن سے گزر کر کسی اور طرف نہ جاتی۔ انسان کا قتل سنگدلی کا شرمناک مظاہرہ ہے لیکن جو شخص جمہوریت اور انسانیت کا قاتل ہو اس کے لیے کسی آدمی کا قتل کوئی بڑی بات نہیں۔ ہم ہر شخص کا شخصی احترام کرتے ہیں اور حسن ظن کے معیار کو نہیں بدل سکتے لیکن اہل بصیرت کی اس رائے سے گریز مشکل ہے کہ اضطراب میں ڈوبی ہوئی "چور، چور" جیسی سیاسی راگنیاں ضرور کسی بات کی پردہ پوشی ہوتی ہیں۔ سیاسی حلقوں کی اس رائے سے قطع نظر کہ اس خوفی ڈرامے کے بعد زبان و بیان سے "نیست و نابود" کر دینے کی دھمکیوں کی روشنی میں خانصاحب کے کردار کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ مسئلہ سپریم کورٹ میں چلا گیا ہے لیکن خانصاحب اپنی آہنی گھن گرج سے اپنے آپ کو سپریم کورٹ سے زیادہ با اثر ثابت کر رہے ہیں۔ (باقی صنہ ۲۰ پر)

اسلام میں آزادیٔ رائے

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

مساواتِ اسلامی کا بیان نامکمل رہے گا جب تک یہ بات نہ معلوم ہو کہ مساواتِ اسلامی نے مسلم سماج میں عوام کے اندر لیڈروں اور سربراہوں کے مقابلہ میں آزادیٔ رائے کی کتنی جرأت پیدا کر دی تھی۔

حقیقی مساوات وہی ہے جو بڑے اور چھوٹوں کو زندگی کے ہر میدان میں ایک صف میں کھڑا کر دے۔ اور بڑے اپنے چھوٹوں کے سامنے اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہوں صرف بڑوں کا احترام کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ بزرگی اور برتری کی بنیاد صرف کردار کی بلندی رہ جائے حسب و نسب کے تمام امتیازات نابود ہو جائیں۔

اسلامی مساوات نے مسلم معاشرہ میں یہی رنگ پیدا کر دیا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام امت میں ایک نبی معصوم اور ہادیٔ برحق کا تھا۔ آپ کی حیثیت خدا کی طرف سے معظم اور محترم بنائی گئی تھی مگر اس کے باوجود مساوات اسلامی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرنے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے رہتے تھے۔

اسلام نے قانونی مساوات اور عدل و انصاف کا سختی سے حکم نافذ کیا ہے اور رسولِ پاکؐ نے خود اپنی عملی زندگی میں اس پر عمل فرمایا ہے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم مجاہدین کی صفیں سیدھی فرما رہے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا۔

اتفاق سے حضرت سواد اس تیر کی زد میں آ گئے آپؐ نے اس تیر کے اشارہ سے فرمایا "استو یا سواد۔ اے سواد! سیدھے ہو جاؤ" وہ تیر حضرت سواد کے چبھ گیا، بات ختم ہو گئی۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مولیٰ سے ملنے کی تیاری فرما رہے ہیں اور مرض وفات شروع ہو چکا تھا۔ ایک روز صحابہؓ نے دیکھا کہ سرورِ دینؐ اپنے چند رفیقوں پر سہارا لگائے ہوئے مسجد میں تشریف لا رہے ہیں۔ جاں نثاروں کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے۔ آقائے دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) بیٹھ گئے، کمزوری کے آثار بشرے سے ظاہر ہو رہے تھے۔ فرمایا:۔

"بندے کے نام اس کے پروردگار کا بلاوا آ پہنچا ہے، بندہ اپنے مولا سے ملنے والا ہے' وہ بندہ چاہتا ہے کہ اس حال میں اپنے خدا سے ملے کہ اس پر کسی انسان کا کوئی حق نہ ہو، لوگو! اگر تم میں سے کسی کا مجھ پر حق ہو تو وہ وصول کر لے۔"

مجمع میں حضرت سواد کھڑے ہوئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے ہاتھ سے میدانِ بدر میں میرے جسم میں ایک تیر چبھ گیا تھا۔ میں اس کا بدلہ چاہتا ہوں۔

جاں نثاروں کا سارا مجمع بلبلا اٹھا۔

سرورِ دینؐ نے اپنے آپ کو بدلہ کے لیے پیش کر دیا۔ سواد بولے، میرے آقا! اس وقت میری پیٹھ ننگی تھی ـــ سرورِ دین نے اپنی چادر ہٹا کر پیٹھ ننگی کر دی سواد آگے بڑھے اور شانۂ اقدس پر جو مہر نبوت کا نشان تھا اسے چوم لیا۔ مجمع پر رقت طاری ہو گئی۔

ایسا ہی ایک واقعہ عکاشہ ابن محصن کا بھی نقل کیا جاتا ہے۔ جس میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"جو دنیا ہی میں جنتی کو دیکھنا چاہے وہ عکاشہ کو دیکھ لے۔"

عکاشہ کی خوش قسمتی کو دیکھ کر ایک صحابی مہر نبوت کو بوسہ دینے کی غرض سے آگے بڑھے۔ آپ نے فرمایا سبقك عكاشه۔ عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔ یہ تھی مساواتِ اسلامی کی حقیقی تصویر۔

قرآن کریم نے بھی اس کی ایک مثال قائم فرمائی۔ یہ واقعہ ہے بشیر منافق کی چوری کا ——

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب یہ مقدمہ پیش ہوا تو بشیر کے گھر والوں نے بہت زوردار طریقہ سے اس کی صفائی کی۔ بشیر منافق نے حضرت رفاعہ رضؓ کے گھر میں چوری کر کے ایک یہودی کے پاس وہ مال مسروقہ امانت کے طور پر رکھ دیا۔ حضرت رفاعہ رضؓ کے آدمیوں نے سراغ لگا کر وہ مال مسروقہ یہودی کے گھر سے برآمد کر لیا۔ اس نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ سامان بشیر نے میرے پاس امانت کے طور پر رکھوایا ہے۔

مقدمہ کی سماعت کے دوران بشیر کے آدمیوں نے اس یہودی پر چوری کے الزام کو تھوپنے کی کوشش کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جج اور قاضی کی حیثیت سے فریقین کے بیانات سماعت فرما رہے تھے۔

چونکہ ایک جج کی حیثیت سے آپ پر مقدمہ کی صرف ظاہری روداد کے مطابق فیصلہ کرنے کی ذمہ داری عائد تھی۔ حقیقت حال کا تجسس کرنا اور پردۂ غیب کے اندر سے حقیقی معاملہ کو سامنے لانا، آپ پر ضروری نہ تھا اور اسی لیے قرآن کریم نے بارہا کہہ دیا تھا کہ غیب کی حقیقتوں کا حال اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے علم میں نہیں۔ نبی اور رسول عالم غیب نہیں ہوتے۔

ایک موقعہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا۔

الا انما انا بشر وانما اقضی بنحو مما اسمع ولعل احدکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ہی قطعۃ من النار فلیحملھا او لیذرھا۔

سنو! میں ایک انسان ہوں اور میں تمہاری باتیں سن کر ہی فیصلہ کرتا ہوں اور ہو سکتا ہے ایک فریق حجت اور دلیل میں زیادہ زور آور ہو اور میں اس کی روشنی میں فیصلہ کر دوں۔ پس اگر میں ظاہری روداد کے مطابق کوئی فیصلہ خلافِ حق کر دوں تو اس کے تحت وہ آگ کا ٹکڑا ہوگا۔ پس وہ شخص اس آگ کے ٹکڑے کو یا خود چھوڑ دے یا اسے قبول کر لے۔

ابن کثیرؒ نے یہ حدیث صحیحین کے حوالے سے نقل کی ہے اور اس تمہید کے ساتھ لکھی ہے کہ علماء اصول کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وقتی مقدمات کا فیصلہ اپنے اجتہاد سے فرمایا کرتے تھے۔

مسند امام احمد میں اسی روایت کے اندر یہ اضافہ بھی ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جملہ سن کر اس مقدمہ کے دونوں فریق مدعی اور مدعا علیہ رونے لگے۔

فبکی الرجلان وقال کل منھما حقی لاخی حقی لاخی۔

"وہ دونوں انصاری رونے لگے اور ہر شخص کہنے لگا۔ حضورؐ! میں اپنا حق اپنے اس بھائی کو دیتا ہوں۔ دوسرا بولا۔ میں اپنا حق اپنے اس بھائی کے حق میں چھوڑتا ہوں۔"

پھر آپؐ نے فرمایا۔ جاؤ! اب تم اس زمین کا جھگڑا آپس میں خود طے کر لو اور اراضی کو قرعہ کے ذریعہ تقسیم کر لو۔

اس طرح ہر شخص کے لیے اس کا استعمال جائز ہو جائے گا۔

مدعی اور مدعا علیہ جو تھوڑی دیر پہلے ایک دوسرے کے مدِ مقابل بنے کھڑے تھے۔ حضورؐ کے چند جملے سن کر بھائی بھائی بن گئے۔ ہر بھائی اپنا حق دوسرے کے لیے چھوڑنے پر راضی ہو گیا۔ یہ کس بات کا

اثر پڑا ؟

اثر پڑا ، سرورِ دین صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت اور بندگی کے اظہار کا ، ایک جلیل القدر نبی ، علم و فضل ، حکمت و دانش کا روشن مینار اور اپنے خدا کے سامنے کس طرح ایک عاجز بندہ کی طرح پیش کر رہا ہے ، نہ عیب دانی کا دعوے ہے نہ ڈکٹیٹر اور حاکم مطلق ہونے کا گھمنڈ ہے ، اپنی حقیقت کا اعتراف ہے اور اس کا برملا اظہار ہے کہ میں ایک بندہ ہوں ، بشر ہوں ، جو کچھ تم میرے سامنے پیش کرتے ہو اس کے مطابق میں فیصلہ کرتا ہوں ۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس بحث کے آخر میں یہ بات بھی صاف کر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہی مقدمات و قضایا میں اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرتے تھے ۔ جنہیں وحی الہٰی کی ہدایت نہیں پہنچی تھی ۔ البتہ جن معاملات وحی الہٰی آپ کو راستہ بتا دیتی تھی ۔ ان میں آپ اس کی پابندی کرتے تھے اور آپ کا وہ فیصلہ ہر قسم کی خطاء اجتہادی سے محفوظ ہوتا تھا ۔

ابو داؤد کی حدیث ہے :

انی انما اقضی بینکما برائی فیما لم ینزل علیّ فیہ ۔ (ابن کثیر ج ۱ ص ۵۵۵)

"میں اپنی رائے سے فیصلہ ان معاملات میں کرتا ہوں جن میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی "

بہرحال بشیر ابن ابیرق کے آدمیوں نے پرزور وکالت کر کے بشیر کو بے گناہ ثابت کرنے اور مجرم بنانے کی کوشش کی اور یہ خیال کیا کہ حضور دشمن اسلام یہودی کا نام سن کر یقین کر لیں گے کہ یہی شخص مجرم ہے ۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے متاثر ہو گئے اور آپ کے منہ سے ایک آدھ جملہ ایسا نکل گیا جس سے یہ رجحان ظاہر ہوتا تھا کہ آپ بھی بشیر کو بے قصور سمجھتے ہیں ۔

بس صرف اتنے رجحان اور میلان پر وحی الہٰی ہوئی اور خدا تعالےٰ نے پورا ایک رکوع اس واقعہ کے بارے میں نازل فرمایا جس کی ابتدائی آیت یہ ہے :

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما واستغفروا اللہ ان اللہ کان غفورًا رحیمًا ۔ (سورہ نساء)

"اے نبی ! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہِ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے ۔ اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو ۔ تم بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ ہو اور اللہ سے درگزر کی درخواست کرو وہ بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے ۔

مفسرین نے لکھا ہے :۔

"قریب تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدمہ کی ظاہری روداد سے متاثر ہو کر اس یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرما دیتے اور مستغیث کو بھی بنی ابیرق (بشیر) پر الزام عائد کرنے پر تنبیہ فرماتے اتنے میں وحی آئی اور معاملہ کی ساری حقیقت کھول دی گئی "

حافظ ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن جریر سے ایک طویل روایت نقل کی ہے ۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ آپؐ نے بشیر پر چوری کا الزام لگانے والوں سے فرمایا :۔

عمدت الی اھل بیت ذکر منھم اسلام وصلاح ترمیھم بالسرقۃ علی غیر ثبت ولا بینۃ ۔ (سورہ نساء ج ۱ ص ۵۴۳)

تم لوگ ایک ایسے خاندان پر چوری کا الزام لگا رہے ہو جو اسلام اور نیکی میں مشہور ہے بغیر دلیل اور شاہد کے ۔

صرف ان جملوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلان کا اظہار ہوا اور اس پر اوپر والی وحی نازل ہوئی اور اس میں اعلان کیا گیا کہ بشیر منافق ہے اور چوری کا مرتکب ہے اور جس غیر مسلم (یہودی) پر یہ چوری کا الزام تھوپنا چاہتے ہیں وہ بالکل بے قصور ہے ۔

تحریر :۔ محمد انور (جہاد ننگر)

پاکستان میں حدود وقصاص کے اجراء کا مسئلہ

اگر ہم احکام الہٰی پر عمل پیرا ہوتے، اگر ہمارے ملک میں قصاص کا قانون جاری ہوتا تو آج کسی ظالم کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ دندناتا ہوا آئے اور ایک انسان کی زندگی کا چراغ گل کر دے۔ ایک ہنستے بستے گھرانے کو آناً فاناً ماتم کدہ بنا دے۔ سہاگنوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دے اور ایک خاندان کے خاندان کو موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے مگر کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ظالم کو یہ جرأت صرف اس لئے ہوتی ہے کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ مجھ سے دنیا کی کسی عدالت میں کوئی قصاص نہیں لیا جائے گا۔ قرآن نے کتنے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ پ۲ بقرہ کہ اے صاحب عقل لوگو! دنیا کا کوئی قانون قتل و غارت گری کو نہیں روک سکتا۔ تم جتنے زیادہ قانون بناتے جاؤ گے۔ قتل اتنے زیادہ بڑھتے جائیں گے۔ اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ خدا کا قانونِ انصاف یعنی قصاص کا نظام جاری کر دو اور نتیجہ دیکھو کہ عمریں گزر جائیں گی۔ مگر کوئی بے گناہ نہ مارا جائے گا۔ کسی ظالم کو یوں سرِعام قتل کی جرأت نہ ہوگی۔ مگر قصاص اس کا نام ہے کہ اس میں امیر و غریب کی تمیز نہ کی جائے۔ قصاص لیتے وقت شاہ وگدا کے خون کو یکساں سمجھا جائے جو حیثیت ایک بادشاہ کے خون کی ہو وہی ایک مزدور کے خون کی ہو۔ مدینۃ المنصور کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ، شاہ مراد نامی گزرا ہے۔ اس کو مسجدیں تعمیر کروانے کا بڑا شوق تھا۔ بڑے شوق و ذوق سے خوبصورت مسجدیں اپنی نگرانی میں بنواتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے ایک مسجد بنوائی جب وہ مکمل ہو گئی تو اسے دیکھنے گیا۔ مسجد کی بناوٹ اسے پسند نہ آئی۔ حکم دیا کہ معمار کو بلاؤ معمار آ گیا۔ غصے میں حکم دیا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دو۔ شاہی حکم تھا فوراً معمار کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اس وقت قاضی اور حکام خدا ترس تھے اور حکومت اسلامی تھی۔ معمار نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا کہ شاہ مراد نے بلا قصور میرے ہاتھ کٹوا دیئے۔ لہٰذا از روئے شرع انصاف کیا جائے۔ قاضی نے مقدمہ سن کر بادشاہ کو عدالت میں طلب کیا۔ بادشاہ نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ قاضی نے فوراً حکم دیا کہ قصاص میں بادشاہ کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اس لئے کہ ع :-

عبد مسلم کم تر از احرار نیست

جبکہ قصاص میں آقا و غلام کی کوئی تمیز نہیں۔ بادشاہ اور گدا یکساں ہیں بادشاہ کا خون گدا کے خون سے زیادہ قیمتی نہیں کہ بادشاہ کے ساتھ رعایت کی جائے۔ اس کو انصاف کہتے ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں ایسے ہزاروں واقعات موجود ہیں۔ مشہور مورخِ اسلام علامہ شبلی نعمانی رح ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ جہانگیر بادشاہ کی چہیتی ملکہ نور جہاں ایک دفعہ محل پر ٹہل رہی تھی۔ کہ نیچے سے ایک دیہاتی گزرا۔ نور جہاں پر نظر پڑی اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ نور جہاں نے دیکھا کہ دیہاتی کھڑا ہے نہ آگے جاتا ہے نہ پیچھے ہٹتا ہے۔ تو اس نے اُسے آواز دی۔ دیہاتی نے اس کی آواز نہ سنی تو نور جہاں سمجھی کہ شاید کانوں سے بہرا ہے۔ اس نے بندوق اٹھا کر چلا دی کہ شاید اس کی آواز سن کر آگے چلا جائے۔ اللہ کی قدرت کہ نور جہاں کی گولی اس دیہاتی کو جا لگی جس سے وہ دیہاتی مارا گیا وارثوں نے دعویٰ دائر کر دیا کہ قصاص دلوایا جائے، جہانگیر کرسیٔ عدالت پر بیٹھا تھا اور علماء و فقہا موجود تھے۔ انہوں نے فوراً فیصلہ دیا کہ شریعت کا حکم قصاص ہے لہٰذا قصاص دلوایا جائے۔ جہانگیر نے حکم دیا کہ مجرمہ کو عدالت میں حاضر کیا جائے۔ سپاہی تیار ہو گئے۔ عدالت پر سناٹا چھا گیا۔ وہ جہانگیر جو نور جہاں پر جان دیتا تھا وہ جہانگیر جو نور جہاں کے مشوروں سے فیصلہ کیا کرتا تھا جہانگیر جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا پر حکومت کرتا تھا، اور نور جہاں اس کے دل پر حکومت کرتی تھی" وہی جہانگیر نور جہاں کے قتل کا حکم دیتا ہے، نور جہاں کو جب یہ خبر پہنچی تو صدمہ سے بے تاب ہو گئی۔ مقتول کے وارثوں کی منت سماجت کی کہ خون بہا دیت لے لو۔ وارث راضی ہو گئے۔ اور عدالت میں کہہ دیا کہ ہم

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ

شانِ اصحابِ رسولؐ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کی روشنی میں

پروفیسر حافظ عبدالمجید، چکوال

امیر معاویہؓ ——— حضرت علیؓ کی نظر میں

حضرت امیر معاویہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان صفین کے مقام پر جو جنگ ہوئی اس کی وجہ سے بعض افراد حضرت امیر معاویہؓ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان کے خلاف بغض و عداوت رکھتے ہیں۔ حالانکہ حضرت علیؓ نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت امیر معاویہؓ کے مومن و مسلم ہونے کی شہادت دی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں :-

وَكَانَ بَدْءُ أَمْرِنَا إِنَّا الْتَقَيْنَا وَالْقَوْمَ مِنْ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ وَالظَّاهِرُ أَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَدَعْوَتَنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدَةٌ وَلَا نَسْتَزِيْدُهُمْ فِي الْإِيْمَانِ بِاللهِ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَسْتَزِيْدُوْنَنَا اَلْأَمْرُ وَاحِدٌ إِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بَرَاءٌ۔

(نہج البلاغت مطبوعہ طہران ص ۵۰۳)

"ہمارے معاملہ کی ابتدا یوں ہے کہ ہماری اور اہل شام کی آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہم دونوں کا خدا ایک، رسول ایک، ہمارا اسلام میں دعوے بھی ایک ہے ہم ان سے اللہ کے ساتھ اور تصدیق بالرسول میں کسی اضافہ کے طالب نہیں اور نہ وہ اس بارہ میں ہم سے کسی اضافہ کے طالب ہیں۔ بات ایک ہی ہے۔ اختلاف صرف حضرت عثمانؓ کے متعلق تھا۔ حالانکہ ہم اس الزام سے بری ہیں"۔

اس مکتوب میں حضرت علیؓ نے تصریح کر دی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور ان کا لشکر مومن اور مسلم ہیں۔ اختلاف تھا تو صرف حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص کے بارے میں تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کا مطالبہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ حضرت علیؓ ابھی تک اس پوزیشن میں نہ تھے کہ قصاص لے سکیں۔ اس لیے ان کا نظریہ تھا کہ خلافت کو مستحکم کرنے کے بعد قصاص لیا جائے گا۔

قصاص لینے میں تاخیر سے حضرت معاویہؓ اور ان کے لشکر نے یہ تاثر لیا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں معاذ اللہ حضرت علیؓ کا بھی ہاتھ ہے ——— اس غلط فہمی کی بناء پر دونوں لشکر آمنے سامنے آ موجود ہوئے۔ اس دوران صلح کی کوششیں شروع ہوئیں لیکن قاتلینِ عثمانؓ حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود تھے۔ انہوں نے صلح کی کوششوں کو ناکام کرنے کے لیے جنگ کی آگ بھڑکا دی۔ اس جنگ کی ذمہ داری سراسر قاتلینِ عثمانؓ پر ہے۔ الغرض اس جنگ کی وجہ سے حضرت معاویہؓ کو مجرم ٹھہرایا جائے تو الزام حضرت امام حسنؓ پر آتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی بیعت کیوں کی۔ حضرت امام حسنؓ

اور تمام اہل بیت نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت معاویہؓ خلیفہ برحق تھے۔ ایسا نہ ہوتا تو یہ حضرات ان کی ہرگز ہرگز بیعت نہ کرتے نیز جنگِ صفین کی وجہ سے حضرت معاویہؓ کے ساتھ بغض و عداوت اگر جائز بھی ہوتی تو جب حضرت امام حسنؓ نے ان سے بیعت کر لی تو اب حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ بغض و عداوت رکھنے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔

امیر معاویہؓ غوثِ اعظمؒ کی نظر میں

حضرت امیر معاویہؓ صحابی رسولؐ ہیں اور ادنٰے سے ادنٰے صحابی کا درجہ بڑے سے بڑے ولی اللہ سے بلند تر ہے۔ اس بات کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

"اگر در رہگذرِ حضرت امیر معاویہؓ نشینم و گردِ سمِ اسپ برمن افتد باعثِ نجات می شناسم" (فتاویٰ امدادیہ جلد ۴ ص ۱۲۳)

"میں اگر حضرت امیر معاویہؓ کے راستہ میں بیٹھوں اور آپ کے گھوڑے کے سم کا غبار میرے اوپر پڑ جائے تو اس کو اپنے لیے باعثِ نجات سمجھوں"۔

امیر معاویہؓ عبداللہ بن مبارک کی نظر میں

حضرت عبداللہ بن مبارک سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ؟ تو آپ نے فرمایا:۔

واللہ ان الغبار التی دخلت فی انف فرس معاویۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل من عمر الف مرۃ۔ (مفسق معاویۃ من الفرقۃ الغاویۃ ص ۲)

"خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو گرد و غبار گھسا ہے وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے ہزاروں درجہ افضل ہے"۔

اس تمہید کے بعد حضرت معاویہؓ کے متعلق حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات نقل کیے جاتے ہیں۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"شیخ ابوبکر سلمیؒ نے اپنی کتاب کی تمہید میں تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہؓ اور صحابہ کرامؓ میں سے ان کے وہ رفقاء جو جنگ میں ان کے ساتھ تھے اگرچہ خطا پر تھے لیکن ان کی یہ خطا اجتہادی تھی۔ اور ابن حجرؒ نے "صواعق محرقہ" میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ سے حضرت معاویہؓ کا نزاع اجتہاد پر مبنی تھا اور اس کو انہوں نے عقائد اہلِ سنت میں شمار کیا ہے"۔

(مکتوبات دفتر اوّل مکتوب نمبر ۲۵۱)

اسی مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

حضرت معاویہؓ امام عادل تھے

"قد صح انہ کان اماماً عادلاً فی حقوق اللہ سبحانہ وفی حقوق المسلمین"

یعنی "یہ بات بالکل صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ حقوق اللہ اور حقوق المسلمین دونوں کے پورا کرنے میں امام عادل تھے"۔

امیر معاویہؓ کے لیے حضورؐ کی دعا

اسی مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"اور احادیث نبویہ میں معتبر راویوں کی سند سے وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب معاویہؓ کے حق میں یہ دعا فرمائی:۔

"اللھم علمہ الکتاب والحساب وقہ العذاب"

یعنی اے اللہ! اس کو کتاب و حساب کا علم دے اور عذاب سے بچا"۔

اور ایک دوسرے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں اس طرح دعا فرمائی:۔

(باقی ص ۱۴ پر)

درس گاہ

ہماری تعلیم

فضل اللہ زبیری ایم، اے (اردو) ایم اے (سیاسیات) ایم ایڈ ثانوی تعلیم، بہاولپور

دورِ حاضر میں نوجوان طبقہ جس اضطراب کا شکار ہے۔ اس کی وضاحت تحصیل حاصل ہے والدین، اساتذہ ماہرین نفسیات، ارباب سیاست کارپردازان ریاست غرض سب ہی کو تشویش ہے۔ ہر شخص اس کے لئے فکرمند ہے۔ ہر گوشہ سے اس کے اسباب و علل پر خیال آرائیاں ہو رہی ہیں۔ کوئی اس کو والدین کی لاپرواہی کا نتیجہ قرار دیتا ہے کوئی اساتذہ کی فرض ناشناسی اس کا اصل سبب بتاتا ہے کوئی معاشرہ کو حقیقی مجرم گردانتا ہے۔ اگرچہ فرزندان ملت کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری گھر، مدرسہ، معاشرہ تینوں اداروں پر ہے لیکن سب سے زیادہ جواب دہ وہی ادارہ ہے جو ابھرتی ہوئی نسل کی تربیت کے لئے قائم کیا گیا ہے جس کو ہم مکتب، مدرسہ، سکول جو کچھ بھی کہہ لیں۔ آئیے ذرا "مکتب کی کرامت" پر نظر ڈالیں۔

سب سے پہلے میں ان سوالات پر غور کرتا ہوں جو بطور استاد میرے ذہن میں ابھر رہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ شاگرد استاد کا بہت احترام کرتا تھا۔ استاد کی خدمت کو عین سعادت جانتا تھا۔ والدین استاد کو توقیر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ معاشرہ میں استاد کو اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ آج نہ استاد کو معاشرہ میں کوئی مقام حاصل ہے نہ شاگرد فرمانبردار ہیں نہ والدین استاد کا لحاظ کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ دنیا میں لین اور دین روابط کا سبب ہے مجھے یہ سوچنا چاہیئے کہ معاشرہ میں کیا دیتا ہوں اور معاشرہ مجھے کیا دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر معاشرہ مجھ سے توقعات رکھتا ہے وہ میں کہاں تک پوری کرتا ہوں اور میں جو توقع معاشرہ سے رکھتا ہوں کیا وہ حسن سلوک کا صحیح بدل ہے؟ جو لوگ مجھ سے تعلیم پا چکے ان میں کوئی حالی، کوئی شبلی، کوئی جوہر یا کوئی اقبال دکھائی دیتا ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا جو طلبہ میرے زیر تعلیم ہیں ان میں کتنے جوہر قابل ہیں جن کو میں صحیح آب دے رہا ہوں جن کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے میں کوشاں ہوں جن کی توانائی اور ذہانت کا میں نے صحیح رخ متعین کر دیا ہے یہاں بھی میں سربہ گریباں ہوں۔

آئیے اب ذرا نصاب پہ ایک نظر ڈالیں۔ طالب علم کا بھاری بھرکم بستہ کھول کر دیکھیں اس میں کوئی ایک کتاب، اخلاقیات پر، قرآنی تعلیمات یا اسلامی طرز معاشرت پر ہے یہاں بھی صفر ہے جو برائے نام دینیات سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اس کا تذکرہ کرنا کچھ زیادہ مفید نہیں۔ اول تو جو کتب اس موضوع پر ہیں ان کے متعلق کہنے کی بہت گنجائش ہے دوسرے دینیات کے پیریڈ کی توقیر جو استاد اور طلبہ مل کرتے ہیں وہ ایک استاد کیلئے باعث شرمندگی ہے۔

ہم سے تو وہ استاد اچھے ہیں جو لوہار اور بڑھئی کا کام سکھاتے ہیں، بچوں کو چار پیسے کمانے کے قابل بنا دیتے ہیں۔ وہاں شاگرد اور استاد کے روابط بڑے گہرے ہیں شاگرد استاد کا نہ صرف احترام کرتا ہے بلکہ اس کو کما کر بھی دیتا ہے، مار بھی کھاتا ہے سخت سست بھی سنتا ہے۔ اف نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ استاد مجھے قوت لایموت حاصل کرنے کے قابل بنا رہا ہے۔ میری دنیا سنوار رہا ہے۔

استاد درحقیقت قدیم درسگاہوں میں تھے۔ جنہوں نے مولانا شبلیؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ جیسے شاگرد پیدا کئے، جہاں استاد صحیح معنی میں روحانی باپ ہوتا تھا شاگرد جانتا تھا کہ اسی کی جوتیوں کے طفیل میری دنیا بھی سدھرے گی اور عاقبت بھی، والدین جانتے تھے کہ ان کی تربیت اور ان کے فیضان نظر سے ان کے جگر گوشے ناموری حاصل کریں گے۔ قوم جانتی تھی کہ استاد سے ہمیں تربیت یافتہ جوان صالح ملیں گے۔ اس لئے استاد محترم تھا۔

آج کا مدرسہ نہ دنیا سنوارتا ہے نہ عاقبت، کتنے میٹرک پاس ایف اے پاس بی اے پاس بیکار پھر رہے ہیں۔ نہ یہ مدرسے سے نکلے ہوئے، کالج سے نکلے ہوئے یونیورسٹیوں سے نکلے ہوئے دین سمجھتے ہیں، نہ علم ہے نہ عمل، علم تو کیا ملتا صحبت بھی نصیب نہیں ہوتی۔ گھر میں میت ہو تو یہ نماز جنازہ بھی پڑھنے کے

لے لائق نہیں۔ اس سے کئی نقصان ہوئے دینی فکر نہ ہونے سے عاقبت ملحوظ نظر نہیں، پُرتکلف کالج کے ماحول سے تن آسانی سیکھی قناعت مفقود ہوئی، صلحا کی صحبت نہ ملی، حفظ مراتب کو جانتے نہیں، اونچی اسامیوں کا ہر شخص طالب ہے۔ عہدوں کی حرص ہے دولت کا لالچ ہے یہ چیزیں ہر ایک کے ہاتھ نہیں آتیں۔ معیار زندگی حیثیت سے زیادہ ہے ان چیزوں کا نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان طبقہ کو اپنا مستقبل تاریک دکھائی دیتا ہے منزل نظر نہیں آتی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا ہی اندھیرا ہے، یہی اضطراب کا اصل سبب ہے۔ آج کا مدرسہ خانقاہی تربیت سے خالی، استاد روحانی علم میں کورا، نصاب میں اخلاقیات معدوم، یہی وجہ ہے کہ طالب علم بے راہ رو ہے۔ کردار سازی کے لئے جو عوامل درکار ہیں ان کا قحط ہے۔

ہمارے بزرگوں کو جو سہولتیں اس سلسلہ میں حاصل تھیں ہم ان سے محروم ہیں اول تو نصاب کا بیشتر حصہ علم دین پہ مشتمل ہوتا ہے۔ دوسرے اخلاقی تعلیم کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ تیسرے استاد خود عالم باعمل ہوتا تھا۔ مدرسوں کے ساتھ ساتھ خانقاہیں موجود تھیں جو اخلاقی روحانی تربیت کا مرکز تھیں۔ پروفیسر محمد عبدالغنی "قرآنی تصوف اور اقبال" میں لکھتے ہیں ــــ ہر اسلامی خانقاہ ...... اسلامی عقائد کے بموجب تعلیم و تربیت کا ایک ادارہ ہوتا تھا۔ اسے اقامتی دارالتربیت کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس کا بانی اور مہتمم کوئی شیخ کامل ہوتا تھا۔ جو شیخ الجامعہ کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اور طالبانِ علم دین کو نہ صرف علوم شرعیہ سے بہرہ مند کرتا تھا بلکہ اپنی پاکیزہ نفسی، نورانیت قلبی اور صفائے باطن کے اثرات سے طالبان حقیقت کے سینوں کو منور اور قلب کو پاک کرتا تھا ــــ ان درسگاہوں میں اور ان مشائخ کی زیر نگرانی تربیت پانے والے جوان صالح بنتے تھے وہاں کردار بنتا تھا۔ وہاں صرف تعلیم نہ تھی بلکہ وہاں تعلیم و تربیت کے ساتھ بزرگوں کی نظر کا فیضان بھی تھا جو مٹی کو کندن بناتا تھا۔

ہمیں نہ وہ تعلیم میسر ہے نہ تربیت۔ مدارس کا حال ظاہر ہے۔ خانقاہیں بھی اب ختم ہو چکی ہیں۔ اہل اللہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کے جانشین ان جیسے نہ رہے رفتہ رفتہ گدیاں موروثی ہو گئیں۔ سجادہ نشینوں نے عقیدت مندوں سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ اپنے منصب کو جلب زر کا ذریعہ بنا لیا۔ رشد و ہدایت، ذکر و تعلیم تو قصہ پارینہ بن گئی۔ صرف عقیدت رہ گئی ہے، پھر مزارات پہ جو بدعات ہوتی ہیں وہ ان تعلیمات کے بالکل منافی ہیں جو اکابر صوفیا اور مشائخ نے عوام کو عطا کی تھیں ان بے عمل سجادہ نشینوں نے اسلاف کی تعلیمات کو بالکل مسخ کر دیا ہے۔

اس گئے گزرے زمانہ میں بھی کچھ نفوس قدسیہ موجود ہیں ان کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ ہماری مشکلات کا حل صرف یہی ہے کہ اہل اللہ کو تلاش کریں جوئندہ یابندہ ان کی صحبت میں بیٹھیں۔ تمام دن کے مشاغل سے فارغ ہو کر تھوڑا سا وقت اس کام کے لئے نکالیں۔ بچوں اور نوجوانوں کو ایسے حلقوں میں بٹھانا نہایت ضروری ہے۔ مرد کامل کی ایک نظر زندگی میں وہ انقلاب لا سکتی ہے جو برسوں کی تعلیم اور نصیحت سے واقع نہیں ہو سکتا۔ چند روز کسی مرشد کامل کی صحبت میں بیٹھ کر دیکھیں۔ خصوصاً بچوں کا کردار ناپختہ ہوتا ہے اگر ان کو شروع ہی سے اچھوں کی صحبت میسر آ جائے۔ تو ان پہ ایسا رنگ چڑھے گا جو پختہ ہوگا ہر شہر میں کوئی نہ کوئی اللہ والا مل سکتا ہے۔ تلاش کی ضرورت ہے یہاں بطور مثال چند ایک نفوس قدسیہ کے اسماء گرامی بصد ادب پیش کرتا ہوں۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانی بہاولپور مخدومنا حضرت مولانا عبدالہادی دین پوری مدظلہٗ مرشدنا حضرت مولانا خان محمد صاحب کندیاں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ٹنڈو الہ یار ان بزرگوں کے حلقہ ذکر میں بیٹھئے۔ ان کے ارشادات سنیئے۔ ان کی اسلامی زندگی دیکھئے۔ چند روز میں قلب متاثر ہونے لگے گا۔ اصلاح کی راہیں ہموار ہو جائیں گی۔

بقیہ: امیر معاویہ رضؓ

اللّٰھم اجعلہ ھادیًا مھدیًا۔ یعنی اے اللہ اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا" اور حضورؐ کی دعا بلا ریب مقبول ہے۔

(مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۵۱)

تاریخی ڈائری

اختر کاشمیری

حلم کی حقیقت :

حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کہ حلم کیا ہے؟ فرمایا :-

"حلم یہ ہے کہ کوئی تم پر ظلم کرے تو معاف کر دو، وہ تعلقات توڑے تو تم جوڑ دو، وہ تمہیں محروم کرے تو تم اسے عطا کرو، طاقتِ انتقام ہو تو درگزر سے کام لو، گناہگار سامنے آئے تو سوچو کہ اس کا گناہ بڑا ہے یا تمہارا رحم و کرم اور غصہ میں کوئی ایسی بات نہ کہو جس سے بعد میں ندامت ہو۔

عدل و احسان :

خلیفہ منصور عباسیؒ کے سامنے دو مجرم پیش کیے گئے۔ دونوں کا جرم ایک ہی نوعیت کا تھا ایک کو سزائے موت ملی تو دوسرا بول اٹھا۔

"اے امیرالمومنین ! اللہ تعالیٰ نے عدل و احسان دونوں کا حکم دیا ہے آپ نے میرے ساتھی کے ساتھ عدل کیا ہے۔ اب میرے ساتھ احسان فرما دیجئے۔"

خلیفہ اس نکتہ پر جھوم اٹھا اور دونوں کو معاف کر دیا۔

صبر کی حقیقت :

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے کسی نے پوچھا صبر کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا :-

صبر کے کئی مظاہر ہیں مثلاً

شکم پروری میں صبر جس کا دوسرا نام قناعت ہے۔

جذبۂ جنسیت میں صبر جس کا دوسرا نام عفت ہے۔

جنگ میں صبر جس کا دوسرا نام شجاعت ہے۔

غصہ میں صبر جس کا دوسرا نام حلم ہے۔

مصائب میں صبر جس کا دوسرا نام استقلال ہے۔

اشتعال میں صبر جس کا دوسرا نام عفو ہے۔

تاریخ بے نظیر :

مامونؒ کے دورِ خلافت میں اس کے چچا ابراہیم بن مہدی نے علمِ بغاوت بلند کر دیا تھا جب وہ گرفتار ہو کر مامون کے سامنے آیا تو مامون نے اپنے وزیر احمد بن ابی خالد احولؒ سے پوچھا کہ اس سے میں کیا سلوک کروں؟ کہا :

"اگر آپ اسے قتل کر دیں گے۔ تو تاریخ عالم میں آپ جیسے سینکڑوں مل جائیں گے اور اگر معاف کر دیں گے تو تاریخ آپ کی مثال نہیں پیش کر سکے گی۔"

اطاعت محبت :

ایک مرتبہ خلیفہ مہدیؒ عباسی نے اپنے سالار ابن خزیم کو حکم دیا کہ فلاں قبیلے کی سرکوبی کرو۔ سالار کہنے لگا۔ اے امیرالمومنین ! اگر آپ انہیں معاف کر دیں تو ان کی بغاوت محبت میں تبدیل ہو جائے گی اور یہ لوگ آپ کے مطیع ہو جائیں گے۔ داناؤں نے کہا ہے کہ جو اطاعت محبت سے پیدا ہو اس اطاعت سے بہتر ہے جو خوف کا نتیجہ ہو۔

مطبوعاتِ جدیدہ

آثار شیرازی

بغرض تبصرہ کتاب کے دو نسخے روانہ کرنا ضروری ہیں۔ (ادارہ)

مسئلہ کشمیر اور قادیانی امت

مؤلف اختر کاشمیری

ضخامت ۱۱۶ صفحات ۔ قیمت تین روپے

ناشر: ادارہ تفہیم الاسلام پریم گلی ۱۳، ول محمد روڈ، لاہور

حضرت مولانا اختر کاشمیری نے یہ کتاب مسٹر منظور امیر "جماعت مرزائیہ" آزاد کشمیر کے ایک پمفلٹ کے جواب میں لکھی ہے اور اس میں مسٹر منظور کے جملہ دعاوی کے علی الترتیب جوابات دیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ آزادی ہند، نظریہ پاکستان، تحریکِ پاکستان، قیام پاکستان، حفاظتِ پاکستان اور جنگ آزادی کشمیر میں قادیانیوں نے کیا کردار ادا کیا ہے۔

قادیانیوں کو اگرچہ پاکستان میں قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے۔ لیکن اس گروہ کی علانیہ اور خفیہ سرگرمیاں بدستور جاری و ساری ہیں۔ اور اس قانون کو عملی جامہ پہنانے کا وقت نہ جانے کب آئے گا۔ اس لیے مرزائیوں کے مذہبی اعتقادات اور سیاسی اعمال سے واقفیت حاصل کرنا ازبس ضروری ہے۔ اور اس کتاب کے ذریعہ مرزائیوں کے ان گوشوں کی نقاب کشائی بھی کی گئی ہے جو عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

قارئین کرام اس کا ضرور مطالعہ کریں۔ تاکہ انہیں قادیانیت کے صحیح خدوخال معلوم ہو سکیں اور مستقبل کے بارے میں بھی ان کے عزائم سے آگاہی حاصل ہو سکے۔

اقوالِ محمود

مؤلف: اختر کاشمیری

صفحات ۱۴۰ قیمت تین روپے

ناشر: ادارہ تفہیم الاسلام ۔ پریم گلی ۱۳، لاہور

حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں بھٹو صاحب کو شکست دے کر آپ کی شخصیت سیاسی اعتبار سے بھی ابھری اور گزشتہ پانچ برس میں آپ نے اپنے اقوال و اعمال، گفتار و کردار کے جو حسین نقوش چھوڑے ہیں۔ وزیر اعلیٰ کی حیثیت میں اور حزب اختلاف کے قائد کے اعتبار سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ گوناگوں اوصاف کے حامل ہیں۔

مولانا اختر کاشمیری نے مفتی محمود صاحب کی تقریروں اور تحریروں کے اقتباسات نہایت عرقریزی سے جمع کیے ہیں اور انہیں نہایت خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔ ابتداء میں شخصیت و کردار اور قلمی چہرہ کے عنوانات میں مفتی صاحب کی سوانح حیات اور سراپا تحریر کر کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔

اقوالِ محمود پڑھنے والے کو مفتی صاحب کی شخصیت کے متعدد خدوخال سے آگاہی حاصل ہو جاتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ مولانا اختر کاشمیری نے یہ کتاب مرتب کر کے وقت کے ایک اہم تقاضے ہی کو پورا نہیں کیا بلکہ مستقبل کے مؤرخ کے لیے بھی ایک عظیم تاریخی سرمایہ مہیا کر دیا ہے۔ جمعیت کے ہر فرد کے

قرآنِ حکیم اور تعمیرِ اخلاق

مؤلف: مولانا سمیع الحق صاحب

ضخامت ۹۶ صفحات ۔ قیمت دو روپے پچاس پیسے

ناشر: مکتبۃ الحق، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دارالعلوم حقانیہ ضلع پشاور کے صاحبزادہ مولانا سمیع الحق ایک ذی استعداد عالم اور شگفتہ بیان اہلِ قلم ہیں۔ زیرِ نظر کتابچہ ان کے اس مقالہ پر مشتمل ہے جو تعلیم القرآن سائٹی ڈھاکہ کے زیرِ اہتمام منعقد شدہ کانفرنس فروری ۱۹۶۸ء کے لیے لکھا گیا تھا۔ بلاشبہ موصوف نے عنوان مقالہ کا حق ادا کر دیا ہے۔

یہ کتابچہ ہر خاص و عام کے مطالعہ کے لائق ہے۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے ورنہ تعمیل نہ ہو سکے گی۔ پتہ خوشخط اور مکمل ہونا چاہیئے۔

مسائلِ اسلام

(۴۱) **بندہ کا اصلی مقصد بندگی ہے**

سچ یوں ہے کہ اصل مقصود آخرت ہے اور بندہ عبادت اور بندہ پن ظاہر کرنے کو مخلوق ہوا ہے تو اس کا وظیفہ اور ذمہ واجب یہ ہے کہ رات دن ایسے حرکات و افعال و اقوال کرتا رہے جس سے بندگی و عجز اپنا اور حمد و شکر و عظمت خالق تعالےٰ شانہٗ کی ظاہر ہوتی رہے بس اس میں ہی مرجاوے۔

مگر یہ مشکل ہوئی کہ یہ قالب جسمانی کھائے پیئے بغیر قائم نہیں رہ سکتا تو اس کا اسباب مہیا کرنا ضرور ہوا۔ پھر بعد کھانے کے پاخانہ پیشاب و شہوت لازم ہوئی تو اس کا دفع کرنا پڑا، اس کا سامان کرنا واجب ہوا، ہم چشموں میں ملے بغیر یہ سامان نہیں ہوسکتے۔ لباس وغیرہ امور کا داعیہ ہوا، اس کا بہم پہنچانا ضرور ہوا۔ اب ایک عبادت کے واسطے یہ سب قصہ کرنا آیا، جس کا اگر حساب کرکے دیکھئے تو اکثر اوقات ان اسباب میں خرچ ہوتا ہے اور اصل مقصود جو تھا وہ کچھ بھی نہیں رہا۔ لہٰذا حق تعالےٰ نے اپنے بندوں کو مجبور جان کر معذور رکھا، فقط پانچ وقت کی نماز مقرر کردی، اور اس تھوڑی عبادت کو قبول کرکے قائم مقام تمام رات دن کے ٹھہرایا، اور سارا رات دن فقط اس کے حوائج میں صرف کرنے کو دے دیا اب اگر بندہ فہیم ہوا تو اس نے جانا کہ یہ سب کمانا، کسب کرنا سامان ہے اس ہی خیال سے سب کام کرتا ہے کہ عبادت کی فراغت حاصل ہو۔ اس کا تو سب کسب و کام عبادت ہی ہوگیا اور جو بندہ غبی کوڑ مغز نکلا وہ سمجھا کہ یہ سب کام میری راحت کو ملے ہیں، اس کا کمانا، کسب کرنا، سونا، جاگنا، خانہ داری محض دنیا و لذت دنیا ٹھہری، فقط پانچ وقت نماز کو عبادت ٹھہرایا۔

سو ہمارا حال یہ ہی ہے کہ سارا دن غفلت میں گزرتا ہے، اور سب کام حظِ نفسانی ہے، فقط یہ نماز باقی عبادت میں ہے اگر اس میں بھی کوتاہی اور تشویش رہی تو وہ کسب و اکتساب بالکل واہیات ہے اس کو کیا کرے جب اصل مقصود ہی گم ہوا؟ (ص ۶۷، ۶۸)

(۴۲) **سالک کو جو نور وغیرہ مشاہدہ وہ غیر حق ہے**

حق تعالیٰ کی ذات کوئی محسوس شے نہیں رہے، جو نور، یا کچھ مشاہدہ ہو، یا خیال میں آوے، حق تعالےٰ اس سے برتر ہے سے

اے برادر! بے نہایت درگہے است
ہرچہ بروے میرسی بروے مایست

پس جو کچھ خیال یا شہود میں ذات آوے اس سب کو نفی کرنا واجب ہے، اس کو ذات جاننا شرک ہے، ذات پاک بے چون و بے چگون ہے سب کیفیات سے پاک ہے۔

دور بینانِ بارگاہ الست
غیر ازیں پے نہ بردہ اندکہ ہست (ص ۹)

مشائخ فرماتے ہیں کہ جس کے سلوک میں انوار پیش نہ آویں اس کا سلوک اسلم ہے اور وجود منبسط، جو ساری تمام اجسام و اعراض میں، محسوس سالک ہوتا ہے، وہ ہے کہ اصطلاح میں اس کو "نفس رحمانی" کہتے ہیں، وہ بھی نور اعظم ہے، حق تعالےٰ کی ذات اس سے بھی اعلیٰ و برتر، و ہزارہا درجہ بری ہے، اس کو بھی عین ذات تصور کرنا "شرک طریقت" ہے۔ ص ۲۰

(۴۳) **تمام اشغالات کا مقصد حضور بے کیف ہے**

مقصد جملہ اشغالات، و مطلب منتہی جملہ مراقبات کا وہ حضور قلب بے کیف ہے، نسبت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ ہی حضور تھا، نہ وہاں نور تھا، نہ وہاں اضمحلال اشیاء کسی نور میں تھا، نہ وجود کی تحقیق، نہ شہود کی تدقیق، نہ فرق دونوں حال میں، نہ کرامت نہ انکشاف، نہ اپنا ارتباط تجلی اعظم کے ساتھ کسی کو ظلی یا عینی، واضح ہوا، نہ مراتب اکوان کو ادراک کیا ــــ محض عبادت تھی عبادت، یا عبدیت خود فرق عابد و معبود تنزیہ تمام کی حالت میں کرتے تھے۔

ہاں حُبّ اللہ کا غلبہ تھا کہ جان و ساری دنیا کے عوض رضائے الٰہی کو مقدم جانتے تھے اور اس حالت کے عطیہ کو نین سے بہتر سمجھتے تھے، طمع جنت الٰہی، و خوف نار غضب ان کا شعار تھا، پس یہ نسبت یادداشت و احسان تھی کہ شمّہ اس کا، میرے سید ازلی، قرۃ العینین خلیل احمد (سہارن پوری شارح سنن ابوداؤد رحمۃ اللہ) کو نصیب ہوئی الخ (ص ۴۵)

سنو اکہ سلوک صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں تحصیل احسان، اور اپنا بندہ ناچیز، بے اختیار ہونا، اور من کل الوجوہ محتاج ذات غنی کا، اور حضور اس کردگار بے نیاز، بصفت عباد کا ہونا تھا، بندگی در بندگی، عجز در عجز، توکل در توکل، ہمت اطاعت اور جان و مال رکھی، بازی فی رضاء اصولی اس کا ثمرہ تھا، نہ استغراق تھا، نہ فنا تھی۔ (صفحہ ۲)

غرض کیفیت سے نہیں، مقصد سکون و ربط قلب باللہ ہے، حالات جو اولیاء پر ہوئے وجد و حال کے اس کا بیسواں حصہ بھی صحابہ سے منقول نہیں، غرض نسبت و سکون و طمانیت باللہ تعالےٰ اصل ہے اور کیفیت لازم و دائمی ہے، یہ حال ہے مقام نہیں۔ (صفحہ ۱۵، ۱۶)

مقصد تمام سلوک سے یہی ہے کہ معاصی سے نفرت ہو جائے۔ اور اطاعت کی رغبت ہو جاوے، اور حالات تڑپ بے قراری مقصود نہیں، بندہ بندگی کو بنا ہے، نہ بے قراری خونخوار کو جب یہ امر حاصل ہوا تو اصل مطلب حاصل آیا (صفحہ ۹۴)

(۴۴) مجذوب ہو جانا

مجذوب ہو جانا، جس میں عقل سلب ہو جاوے کچھ اختیاری ہیں (صفحہ ۲۵)

(۴۵) وَھو معکم اینما کنتم

حق تعالےٰ باوجود وراء الوریٰ کے قریب بعید کے ہیں وھو معکم اینما کنتم اور "معکم" علم سے معیت کی تعبیر کرنا کچھ حاجت نہیں، ھُو ضمیر ذات ہے، جہاں علم وہاں ذات ہیں تکلف کی کیا حاجت ہے؟ حق تعالےٰ فوق و تحت سے بری ہے، فوق اور تحت ہر جا موجود ہے ـــ عروج روح و قلب کا فوق کی جانب اس خیال سے نہیں ہے کہ حق تعالیٰ فوق العرش ہے، نہیں (وہ) سب جگہ ہے، قلب مومن کے اندر بھی ہے، پس فوق کا خیال مت کرو (صفحہ ۱۶)

(۴۶) ام الصبیان کے لئے عمل

(ام الصبیان (بچوں کی مرگی) یہ بیماری دورہ کے ساتھ ہوتی ہے، جب اس مرض کا دورہ پڑتا ہے تو بچے کے ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگتے ہیں، آنکھوں کے ڈھیلے اوپر کی طرف چڑھ جاتے ہیں، اور بچہ بے ہوش ہو جاتا ہے، حضرت قدس سرہٗ نے اس کے لئے عمل ارشاد فرمایا:۔

ام الصبیان کے واسطے یہ عمل کرو کہ ایک دھاگا خواہ کسی رنگ کا ہو، سفید ہو یا سیاہ، اور کوئی مقدار تاروں کی بھی نہیں، مگر سات یا نو یا گیارہ ہوں تو بہتر ہے، اس پر اکتالیس بار سورۂ فاتحہ مع تسمیہ پڑھ کر ہر فاتحہ پر ایک گرہ لگاؤ جب اکتالیس بار فاتحہ اور اکتالیس گرہ ہو جاویں پسر کے گلے میں ڈال دو، حق تعالےٰ فضل فرمائے گا۔ (صفحہ ۳۱)

(۴۷) استخارہ کی حکمت

بندہ کا حال مثل طفل ناعاقبت والی اور ناواقف اپنی مصلحت کے ہے کہ طفل اپنے والدین سے جو اس کی ... خواہش ہو مانگتا ہے، اور اس پر اصرار کرتا ہے، اور روتا ہے اور نہایت ملول ہوتا ہے بلکہ اپنے والدین کو اپنے اوپر تعدی کرنے والا جانتا ہے مگر والدین اس کے شفیق ہیں ہرگز جس میں اس کا نقصان ہو قبول نہیں کرتے وہی کرتے ہیں جو اس کے واسطے فی الحال اور مآل کار بہتر ہو۔

ایسا ہی بندہ اپنی خواہش میں مشغوف ہے۔ آخرت کی بات اس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا مگر حق تعالےٰ اس کے لئے وہی کرتا ہے جو خیر ہو اگرچہ بندہ کو ناگوار معلوم ہو اور اپنے واسطے برا جانے اس واسطے حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ بہت سی چیز کہ اس کو تم خیر جانتے ہو اور وہ تمہارے واسطے شر ہے" لہٰذا بندہ کو واجب ہوا کہ ہر امر پر ٹوٹ کر زیادہ فریفتہ نہ ہو، بلکہ اول اپنی خواہش کی طلب میں مشورہ و استخارہ کرے، انال بعد یوں دعا کرے کہ "الٰہی! اگر یہ امر میرے واسطے تیرے علم میں بہتر ہے تو مقدر کر دے، اور جو برا ہے تو میرے دل کو اس طرف سے پھیر دے، اور یہ کام نہ ہوئے (صفحہ ۵۶)

(۴۸) ذکر و شغل کی پابندی

آپ اپنا شغل معمولی کرتے رہیں اس میں ہی سب کچھ ہے اور گاہ کسل، گاہ حدت ہر روز لازم بشر ہے ایک حالت پر آدمی نہیں رہتا خود اکمل اولیاء فرماتے ہیں ؎

گہے بر طارم اعلےٰ نشینم
گہے برپشت پائے خود نہ بینم

ہم تو کس حساب میں ہیں۔ مگر آدمی کو اپنا شغل و ذکر اگرچہ قلیل ہے ترک نہ کرنا چاہیئے، خیر العمل ما دیم علیہا (الحدیث) والسلام (صفحہ ۷۶)

(۴۹) ذکر کیلئے فرصت کا انتظار نہ چاہیئے

جب ذکر نا بندہ، اگرچہ وہ نفل ہی رہے، اپنے خیال و عزم میں ضرور رہا، تو انتظار فرصت کا ہرگز درست نہیں کیونکہ انسان ہرگز فارغ نہیں ہو سکتا معاش کے اکتساب میں عیال کی تربیت میں، حوائج کی فراہمی میں، ہر روز پریشان ہے، تھوڑا یا بہت، پس تا دم مرگ فرصت نہ ملے گی اور جب شیطان کو محقق ہوا کہ یہ مرد فرصت کے خیال میں ہے تو ہرگز فرصت نہ لینے دیوے گا۔ اس خیال امید فرصت کو قوت دے کر راسخ کرے گا اور تسویف ڈال کر سادہ طریق خیر ہوگا، یہ فی الواقع دھوکا شیطان کا ہے۔

لہذا انسان عاقل کو واجب ہے کہ ذکر و فکر آخرت کو کسی حال تعویق میں نہ ڈالے اگرچہ نفل ہی ہے ، کیونکہ اس کو کرنا ضرور جانتا ہے ، البتہ اگر ممکن ہو تو امور دنیاوی کو تسویف کر دیوے ، اور جس قدر ذکر ہو سکے ، اگرچہ قلیل ہو ، اس کو اس ہی تشادیش سے مخلوط کر کے کرتا رہے ، اگر پریشانی خاطر ہے تو فقط لسانی ہی سہی کہ اگر لطیفۂ قلب معطل رہا و غافل رہا و غافل ہوا ، تو زبان تو معطل و غافل نہیں مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ (ص۳۵)

زنہار کہ آپ التزام شغل کے واسطے فرصت کا انتظار کریں اگرچہ پانچ چار منٹ ہی ہو مگر شغل کو شروع کرو اور "خیر العمل مادیم علیہ" کو پیش نظر کر کے اس ہی پانچ منٹ پہ التزام کریں اگرچہ محض لسانی بھاگتے دوڑتے ہو۔ (ص۳۷)

۵۰ غفلت کے ساتھ ذکر

ذکر ایسی شے ہے کہ اگر اس کو کرتا ہے اگرچہ بے ہوشی خواطر ، و پریشانی تعلقات میں محض تحریک لسانی ہو۔ نافع اور موجب نورانیت قلب کے ہوتا ہے ہر چند ذکر "قلبی" ہی ہے اور ذکر "کامل" وہی ہے کہ تمام لطائف کو شاغل بنا دیوے مگر یہ نہ ہو تو فقط لسان کو بھی کیوں بیکار کر دیوے ؟ یہ محض لسانی غفلت کا ذکر کشاں کشاں قلب تک پہنچا دیتا ہے۔ عضو لسان اگر جنت میں جائے گا تو کیا دیگر جملہ اعضا محل نار ہو سکتے ہیں ؟ ذکر وہ شی ہے کہ اگر کسی جزو انسان سے متصل ہووے گا۔ تمام جسد کو اپنی طرف کھینچ لیوے گا ؛

★

بقیہ : حدود قصاص

قصاص لینا نہیں چاہتے۔ ہم نے خون بہا یعنی دیت قبول کر لی ہے۔ جہانگیر نے پوچھا تم پر کوئی دباؤ تو نہیں ڈالا گیا یا تمہیں صلح پر مجبور تو نہیں کیا گیا۔ تو انہوں نے برضا و رغبت کہا کہ ہم اپنی مرضی سے صلح کر رہے ہیں اور خون بہا پہ راضی ہیں۔ ورنہ جہانگیر نے تو نور جہاں کے قتل کا فیصلہ سنا دیا تھا۔ اور نور جہاں کی محبت انصاف کے راستہ میں حائل نہ ہو سکی۔ جہانگیر نے اللہ کے حکم کے آگے سر خم کرتے ہوئے حکم دے دیا کہ ملزمہ کو قتل کر دو اسی کا نام قصاص ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نور جہاں کی جان دیت ، خون بہا خدا کے دوسرے قانون سے بچ گئی اور اس قصاص کی یہ برکت ہے کہ اس سے ہزاروں انسانوں کی زندگیاں بچ جاتی ہیں۔ آج آپ دن دہاڑے قتل کی جو واردات دیکھتے ہیں کوئی درندہ صفت انسان آتا ہے اور گھر کے گھر کو اجاڑ دیتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے حکم "قصاص سے روگرانی کی ہے" جس کی وجہ سے اس ملک میں اتنی قتل و غارت گری ہو رہی ہے کہ سن کر عقل دنگ رہ جاتی۔ اب بھی اگر ہم اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے قصاص کا عادلانہ نظام نافذ کر دیں تو مملکت پاکستان اسلامی اخوت اور انصاف کا گہوارہ بن سکتی ہے ؎

آج بھی ہو اگر ابراہیم سا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

★

بقیہ : شذرہ

حکومت نے اس سلسلے میں بزعم خویش جو اہم قدم اٹھایا ہے وہ سرحد حکومت کی برطرفی اور گورنر راج کا قیام ہے۔ حکومت کا مقصد خواہ کچھ بھی ہو لیکن اس نے شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ قدم اٹھا کر سرحد اسمبلی کی کابینہ کو بھی شیرپاؤ کے قتل میں فریق بنا لیا ہے۔ ہمیں برطرف وزراء کے ساتھ دلی ہمدردی کے باوجود یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اگر باستثنائے چند ان لوگوں نے ضمیر فروشی اور ابن الوقتی کو اپنا مذہب نہ بنا لیا ہوتا تو آج ان کے ساتھ یہ ذلت آمیز سلوک نہ ہوتا۔ جب مفتی محمود کی حکومت نے احتجاجاً استعفا دیا تو یہ حضرات حق و صداقت اور جمہوریت کے مسلمہ اصولوں کو پامال کر کے راتوں رات وزارتوں کی بھیک مانگنے کے لیے بڑے گھر پہنچ گئے لیکن وقت نے ان کی وزارتوں کو بچہ سقہ کی بادشاہت کی طرح ناپائدار ثابت کر دیا۔ دونوں حکومتوں میں کتنا فرق ہے کہ ایک نے اصولوں کی خاطر کرسی کو لات مار دی اور دوسری نے کرسی کے لیے اصولوں کو قربان کر دیا لیکن کرسی نے خود ہی اس کا بوجھ اتار پھینکا۔ بہر حال ؎

بہت سی حسرتیں ایسی ہیں جن کا خون ہوتا ہے

بہت ارمان ایسے ہیں جو دل کے دل میں رہتے ہیں

ہمارے نزدیک شیرپاؤ کے قتل کو فراموش کرنا اور مجرموں کو کیفر کردار تک نہ پہنچانا خود حکومت کے حق میں مفید نہیں ہے کیونکہ مولانا شمس الدین شہید اور دوسرے شہداء وطن کے قاتلوں کو تا حال گرفتار نہ کرنا حکومت کی مجرمانہ چشم پوشی کی تعریف میں آتا ہے لیکن خود اپنی جماعت کے جواں سال وزیر کے قاتلوں کی گرفتاری میں کامیاب نہ ہونا حکومت کی نااہلی کی دلیل ہے۔ ہماری بات طبع نازک پر گراں نہ گزرے تو ہم عرض کریں گے کہ اس معاملہ میں مرد آہن اور گنڈا پور صاحب سے پوچھ کچھ بھی مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ پھر نہ کہنا کہ :-

بس میں رہے ہم سے مستور ہو کر ۔۔۔ بہت پاس نکلے بہت دور ہو کر

یاد رکھو کہ بوڑھے مگرمچھ کے پاس آنسو بہانے کا آرٹ ہوتا ہے اور مگرمچھ کے آنسو ہمیشہ ناقابل اعتبار ہوتے ہیں خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان ؎

ماتم سرا بھی ہوتے ہیں کیا خود غرض قتیل

اپنے غموں پہ روتے ہیں لے کر کسی کا نام

بنات الاسلام خواتین کا صفحہ

زوجۂ طاہرہ

خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں

تحریر: بیگم فخر النساء، انور، لاہور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا اگرچہ اس وقت تک ظہور نہ ہوا تھا لیکن آپ کی دیانت اور امانت کا تمام مکّہ والوں میں شہرہ تھا۔ اور ہر ایک کو آپ کے برگزیدہ اور پاک اخلاق کا اعتبار تھا۔ اسی لیے آپ "امین" کے لقب سے مشہور تھے۔

یہ شہرت اور بزرگی خدیجہؓ پہ پوشیدہ نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے چاہا کہ اپنی تجارت کو آپؐ کے سپرد کرکے آپؐ کی دیانت داری سے نفع اٹھائیں انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا کہ اگر آپؐ ہمارا تجارت کا مال شام کو لے جائیں تو ہم اپنا غلام آپؐ کی خدمت کے لیے ہمراہ کر دیں اور دوسرے لوگوں کو نفع میں سے جو کچھ دیا جاتا ہے اس سے زیادہ آپؐ کی خدمت کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ایک بلند ہمت اور وسیع الخیال شخص تھے۔ اس بعید سفر اور تجارت سے گھبرائے نہیں بلکہ منظور فرما لیا۔ آپؐ نے اسباب تجارت اور خدیجہؓ کے غلام میسرہ کو اپنے ساتھ لیا اور ملک شام کو تشریف لے گئے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت داری اور سلیقہ شعاری کی بدولت تمام سامانِ تجارت دوگنے منافع پر فروخت ہو گیا۔ دورانِ سفر میں سردارِ قافلہ یعنی سردارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کہ ہر ایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مداح بلکہ جاں نثار بن گیا شام کے راستے میں جب آپ ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک راہب نے آپ کو دیکھا اور آخر الزمان نبی کی جو علامات پہلی کتابوں میں لکھی تھیں آپ میں دیکھ کر پہچان گیا۔ راہب میسرہ کو جانتا تھا۔ اس نے میسرہ سے پوچھا یہ شخص کون ہے؟ اس نے کہا۔ مکّہ میں رہنے والے قریش کے شریف جوان ہیں۔ راہب نے کہا۔ یہ نبی ہوں گے کیونکہ اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی ٹھہرتا ہی نہیں۔

جب قافلہ مکّہ واپس آیا تو حضرت خدیجہؓ کو میسرہ کی زبانی سفر کے حالات اور منافع کی تفصیلات معلوم ہوئیں تو ان کے دل میں حبِ رسولؐ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ ہاشمی نوجوانؐ وہی نبی آخر الزمانؐ ہے جس کی کتبِ سابقہ میں خبر دی گئی ہے۔ اس سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک چاند آ کر ان کی گود میں گرا۔ جس سے سارا عالم منوّر ہو گیا۔ جب انہوں نے اپنے خواب کی تعبیر ایک عیسائی عالم سے پوچھی تو اس نے جواب دیا۔ اے شرافۂ عرب! تمہیں خوشخبری ہو کہ دعائے خلیلؑ یعنی نبی آخر الزمان پیدا ہو چکے ہیں تم ان کے عقد میں آؤ گی۔

خدیجۃ الکبریٰؓ کے دل کی دنیا پلٹ چکی تھی۔ ان تمام باتوں کو دیکھنے اور سننے سے ان کو آپؐ کے ساتھ سچا اعتقاد اور خالص اُنس ہو گیا۔ جس سے حضرت خدیجہؓ نے ارادہ کر لیا کہ اگر حضورؐ منظور فرمائیں تو آپ سے نکاح کر لوں چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے اپنی لونڈی نفیسہ کی معرفت حضورؐ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپؐ نے فرمایا چونکہ دنیوی سامان اور مال میرے پاس نہیں لہٰذا اس وقت نکاح کا ارادہ نہیں۔ نفیسہ نے عرض کیا کہ اگر ایسی جگہ نکاح ہو جائے کہ جہاں آپؐ کے مال کی ضرورت نہ ہو بلکہ مال بھی موجود ہو اور خاندانی شرافت و عزت بھی ہو تو کیسا ہے؟

آپؐ نے فرمایا ایسا موقعہ کہاں! تب نفیسہ نے کہا کہ خدیجہؓ آپؐ کے حسنِ اخلاق اور پاک خصلت و شرافت کی وجہ سے آپؐ سے نکاح کرنا چاہتی ہیں۔

آپ نے اس تعلق و نسبت کو منظور فرما لیا۔ اپنے چچا حمزہ وغیرہ سے اس کا ذکر کیا سب نے اس کو پسند کیا۔ چونکہ خدیجہؓ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لہٰذا حضورؐ حمزہؓ کو ساتھ لے کر خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد کے پاس پیغام نکاح کے لیے تشریف لے گئے۔ ابو طالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔ (انگریزی روپے کے حساب سے ایک سو اکتیس روپے ہوتے ہیں) اس وقت حضورؐ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس عقد سے بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے ایک اونٹ ذبح کر کے ولیمہ بھی کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظاہر ہونے میں ابھی پندرہ برس باقی تھے۔ خدیجہؓ اور آپ ساتھ رہنے لگے۔ خدیجہؓ آپ کی دل سے عزت کرتی تھیں۔ اور ہر بات میں آپ کی مرضی کو مقدم سمجھتی تھیں۔ آپ بھی نہایت محبت و مروت سے ان کے ساتھ معاملہ کرتے تھے۔ اب جو کچھ خدیجہؓ کے پاس تھا وہ آپؐ ہی کا سمجھا جاتا تھا۔ اب دنیاوی فکر سے آپ کو بالکل آزادی ہو گئی اور پہلے سے زیادہ فراغت اور اطمینان کے ساتھ عبادت میں مشغول رہنے لگے۔

(جاری ہے)

بقیہ: احادیث الرسولؐ

نظر آنے لگتی ہے اور گریستگی و عزوبت (نکاح نہ کرنا) کی زندگی مرغوب بن جاتی ہے یہ فطرت نہیں خلافِ فطرت ہے۔ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ کی شرح یہی سمجھنی چاہیے۔ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ۔

عزم بالجزم

پھر شمعِ دینِ حق کو فروزاں کریں گے ہم
پھر آستانِ کُفر کو ویراں کریں گے ہم

مانا کہ آج کفر کا طوفاں ہے حشر خیز
طوفانِ حشر خیز کا درماں کریں گے ہم

کیا ڈر ہے اہلِ حق کو باطل کے جبر کا؟
جوُر و جفا کو رونقِ زنداں کریں گے ہم

کیا غم اگر صنم ہیں ربوے کی خاک میں؟
اس بتکدے کو آپ ہی ویراں کریں گے ہم

روکو! زبانِ کفر کو او قادیانیو!
ورنہ زبانِ شوخ کا ساماں کریں گے ہم

درویش، فاقہ مست، تہی دست ہیں مگر
ربوے اسپوت تیرے مسلماں کریں گے ہم

لڑتے رہیں گے تجھ سے تا حشر جاں فروش!
ناصرا تمہارا چاک گریباں کریں گے ہم

زنداں کی اوٹ میں شبِ عمر کاٹ کر
اک صبحِ انقلاب کا ساماں کریں گے ہم

اختر تمہارے کلک سے لرزیں گے کوہ و دشت
جب ختمِ مرسلیں کو نگہباں کریں گے ہم

اختر شیری

ٹیلیفون نمبر	The Weekly "KHUDDAMUDDIN"	رجسٹرڈ ایل نمبر
۶۷۵۲۵	LAHORE (PAKISTAN)	۶۰۲۷

منظور شدہ محکمۂ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۲۱/۱۶۴۳ مورخہ ۲ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۲۶-۱۳۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۶۶-۲۰۷۶ D.D.A مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۶ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G.M/۳۰-۱۵۲۱۰ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۷ء

عبید اللہ انور پبلشر نے باہتمام [illegible] پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔